R. N. 2186 57

Regd. No A 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

Telephone No. 29

Telegrams: "ANJUMAN"

ہماری زبان

جلد ۲۰ شمارہ ۴۴ | ایڈیٹر۔ آل احمد سرور | علی گڑھ یکم دسمبر سنہ ۱۹۶۱ء

عبدالودود ایم۔ اے

ہندی الفاظ اور اردو رسم الخط

۸ر دسمبر ۶۰ء کے ہماری زبان میں ایک مضمون نگار نے "ہندی کے ماترا اور اردو کے اعراب" کے عنوان سے مضمون لکھا تھا۔ مضمون میں ہندی کے غیر مانوس الفاظ اردو رسم الخط میں لکھنے کے لئے چند آرا پیش کی گئی ہیں۔ مضمون کا مطالعہ کرنے کے بعد تین اہم نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ ہندی کے تمام حروف علت کے اردو قائم مقام مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔

۲۔ ہندی اور اردو حروف تہجی میں میل پیدا کرنا چاہئے۔

۳۔ بالا دو جدتیں پیدا کرنے کے بعد ہندی کے حروف ملا کر نہ لکھے جائیں بلکہ انھیں الگ الگ لکھا جائے۔

ہندی کے تمام حروف علت کے اردو قائم مقام مقرر کرنا اشد ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں مضمون نگار نے جس قسم کی رائے دی ہے وہ کسی حد تک صحیح ہے۔ مضمون نگار نے یہ جملہ لکھا ہے "لہذا قطعی طور پر ہم کو ہندی کے تمام حروف علت کا اردو قائم مقام اس طرح قرار دینا چاہئے" اس کے بعد انھوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ موصوف نے اس جملے میں "قائم مقام" کا لفظ استعمال کر کے کافی الجھن پیدا کر دی ہے۔

अ - आ - इ - ई - उ - ऊ - ए - ऐ - ओ - औ

अं - अः وغیرہ حروف میں ऋ اور ॠ کو چھوڑ دیجئے۔ بقیہ حروف صحیح کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ ان کا استعمال حروف علت کے طور پر بھی ہوتا ہے۔ ان کی ماترائیں ان حروف کا اظہار کرتی ہیں۔

مضمون نگار نے جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ کافی حد تک صحیح ہے انھوں نے आ اور ई کے جو قائم مقام قرار دئے ہیں ان سے مجھے اختلاف ہے۔ आ کا قائم مقام آ (دو الف کیونکہ قائم مقام ہو سکتے ہیں) اور ई کا قائم مقام "ی" کو قرار دیا ہے۔ ہندی کے حروف आ کا بدل اردو میں پہلے ہی سے "آ" موجود ہے لیکن "آ" کا استعمال اسی وقت ہوگا جبکہ आ حرف صحیح کے طور پر استعمال ہو۔ ہندی میں جہاں आ کی ماترا "ا" کا استعمال ہوگا وہاں ماترا کی جگہ اردو میں "ا" لکھا جائے گا۔ جیسے जाना = جانا۔ खाना = کھانا۔ وغیرہ۔ आ کا قائم مقام مقرر کرتے ہوئے آواز کا فرق واضح کرنا ضروری تھا۔

ہم ई کو "ی" کا قائم مقام نہیں قرار دے سکتے۔ "ی" کا صحیح حرف ہندی میں य ہے۔ حرف علت "ی" نہیں ہو سکتا۔ ई میں الف اور ی و ے اور ی کی آوازیں موجود ہیں۔ یہاں بھی وضاحت ضروری تھی کہ ई کی ماترا (ी) کا قائم مقام "ی" کو قرار دے سکتے ہیں نہ کہ ई کا قائم مقام۔ مضمون میں جس طرح دوسرے حروف کا بالکل بالتفصیل تلفظ دیا گیا ہے یہاں بھی دینا چاہئے تھا اور ई = ای لکھنا چاہئے تھا۔ ساتھ ہی ی ے ی = ئی و ای کا فرق واضح طور سے پیش کرنا چاہئے تھا۔

مضمون میں ہندی اور اردو حروف تہجی میں میل پیدا کرنے کی ضرورت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ حروف تہجی میں میل پیدا کرنے کے لئے اصولوں میں تغیر و تبدل کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ زبان خود ساختہ اصولوں کے ماتحت ترقی کرتی ہے۔ الفاظ بنا کر یا حروف ایجاد کر کے زبان کو فروغ نہیں دیا جا سکتا۔ یہ صحیح ہے کہ ہندی میں بعض ایسے حروف تہجی ہیں جن کا بدل اردو میں نہیں۔ ان کا بدل اردو میں ایجاد کرنا ممکن تو ہے لیکن مناسب نہیں۔ اگر تھوڑی سی تبدیلی سے کام لیا جا سکے تو کچھ تبدیلیاں کی جا سکتی ہیں جیسے حروف پر نشان لگا کر ہندی حروف کے قائم مقام مقرر کئے جا سکتے ہیں۔ مضمون نگار نے ذیل حروف ہندی کے اردو متبادل

یوں قرار دئے ہیں جو صحیح ہیں۔

श = ش ۔ ष = ش ۔ ह = ہ

لیکن ण - त्र اور ज्ञ کو بالترتیب ڑ۔ ٹ۔ گی لکھنا مناسب نہیں۔ کوشش یہ کرنا چاہئے کہ ہندی کے ایسے حروف جن میں کئی آوازیں ہیں اردو کے دو یا دو سے زاید حروف کی مدد سے ملا کر لکھے جائیں۔

त्र میں ت اور ر کی آوازیں، ण میں ن اور ڑ کی آوازیں ज्ञ میں گ اور ی کی آوازیں مشترک ہیں۔ ہندی کے ان حروف کا استعمال جہاں ناگزیر ہو وہاں یوں لکھا جاسکتا ہے۔ حروف کے سامنے ان کا الفاظ میں استعمال بھی دکھایا گیا ہے :

ण = نڑ — रावण = راونڑ

त्र = تر — यात्रा = یاترا

ज्ञ = گی — ज्ञान = گیان

نئے حروف تہجی ایجاد کرنا مفید نہیں۔ اس سے زبان الجھ جائے گی۔

ہندی ملک کی سرکاری زبان ہے۔ انگریزی کی جگہ دھیرے دھیرے ہندی کو حاصل ہو رہی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اردو داں طبقہ ہندی سیکھے اور ہندی الفاظ کا صحیح تلفظ کرنے کی کوشش کرے۔ محکموں کے نام اور انگریزی کے ایسے الفاظ جو عموماً استعمال ہوتے تھے اب ان کی جگہ ہندی کے الفاظ لے رہے ہیں۔ مثلاً سینٹر و کمیٹی کی جگہ "کیندر" اور "سمیتی" جیسے الفاظ کا استعمال ہو رہا ہے۔ پروگرام کی جگہ ہندی کا لفظ कार्यक्रम استعمال ہو رہا ہے۔ ہندی سے ناواقف لوگ ان کا صحیح تلفظ نہیں کر سکتے۔

"کیندر" (केन्द्र) کا تلفظ اردو داں کین دَر (केनदर) سمیتی (समिति) کا تلفظ سمت (समित)۔ कार्यक्रम کا تلفظ کاریا کرم (कारयाकरम) کرتے ہیں۔ یہ تلفظ غلط کئے جاتے ہیں۔

ہندی میں بعض الفاظ ایک دوسرے سے ملے رہتے ہیں۔ ان کی آوازیں بھی ک اور دوسرے الفاظ کی طرح ملی ہوئی آتی ہیں۔ اس ضمن میں र (ر) اہم ہے र کا استعمال اس کی اصل شکل میں بھی ہوتا ہے۔ جیسے रात اور دوسرے الفاظ لکھنے میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں र حروف کے نیچے میں صرف علامت (ـ) کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح حروف کے اوپر بھی علامت (ـ) کے طور پر مستعمل ہوتا ہے۔ ایسے الفاظ کا صحیح تلفظ کرنے کے لئے اور انھیں اردو میں صحیح لکھنے کے لئے ذیل طریقہ مناسب ہے :

केन्द्र ۔ کیندر = آخری دو حروف پر جب جزم لکھے جائیں تو اس سے یہ مراد لی جائے کہ پہلا حرف دوسرے حرف سے ملا کر استعمال ہوگا۔

ग्राम = گرام   प्राण = پرانڑ

ब्रह्म = برہم   द्राविड़ = دڑاوڑ

धर्म = دھرم = آخری حرف پر جب جزم لکھا جائے تو اس سے یہ مراد لی جائے کہ آخری حرف پہلے حرف سے

कर्म = کرم   الگ استعمال ہوگا (عموماً لوگ دھرم اور کرم بولتے ہیں)

الگ الگ حروف لکھ کر ہندی کے الفاظ لکھنا مناسب نہیں۔ ایسا کرنے سے اردو رسم الخط کی خصوصیت ختم ہو جائے گی۔ میں نے جو رائے پیش کی ہے اسے حرف آخر نہیں کہا جا سکتا اس موضوع پر کافی غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اگر ہندی سے واقفیت حاصل کی جائے تو اس سلسلہ میں کافی آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اردو تحریر میں غیر ضروری طور پر ہندی الفاظ کا استعمال نہ کیا جائے۔ ہندی الفاظ اردو میں جس تلفظ سے رائج ہیں انھیں ویسے ہی رہنے دیا جائے۔ ہندی کے بعض ثقیل و نامانوس الفاظ تھوڑی سی تبدیلی سے (یہ تبدیلی غیر ارادی ہے) لطیف و شیریں ہو گئے ہیں۔

ہندی کا لفظ कारण ہے۔ یہ لفظ عموماً اردو تحریروں میں مستعمل ہے۔ لیکن اسے "کارنڑ" نہیں لکھتے بلکہ "کارن" لکھتے ہیں۔ "کارن" ہندی میں مستعمل نہیں۔ یہ لفظ اردو میں بڑی خوبی سے استعمال ہوتا ہے اور خوشگوار بھی ہے۔ اسی طرح اردو میں "برہمن" کا لفظ استعمال ہوتا ہے ہندی میں برہمن کوئی لفظ نہیں بلکہ اصل لفظ ब्रह्मण (برہمنڑ) ہے۔ اگر اب اردو میں برہمن کی جگہ "برہمنڑ" استعمال کریں تو یہ زبان کے اصول سے مختلف اقدام ہوگا۔ برہمن میں جو وضاحت ہے وہ برہمنڑ میں نہیں ہے اقبال کا شعر ہے ؎

سچ کہہ دوں اے برہمن گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے

اس شعر میں لفظ "برہمن" استعمال ہوا ہے۔ "برہمن" کی جگہ "برہمنڑ" استعمال کر کے دیکھئے شعر کی وضاحت و روانی جاتی رہے گی۔

---

۱ جن حروف کا ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ ङ اور क्ष اور دو ایسے حروف ہیں جن کے مقابل اردو میں نہیں ङ کا استعمال ہندی میں بھی کم ہوتا ہے۔ क्ष کا صحیح تلفظ مختلف علاقوں میں مختلف ہوتا ہے بعض "کچھ" اور بعض "کشا" دونوں صورتوں میں ک ہلکا پڑھتے ہیں جیسے परीक्षा کا تلفظ "پریچھا" اور "پریکشا" دونوں طرح کیا جاتا ہے۔

(عبدالودود)

ضروری گذارش

"ہماری زبان" میں اشاعت کے لئے مضامین نظم و نثر بھیجتے وقت اس کا خیال رکھئے کہ وہ غیر مطبوعہ اور مختصر ہوں۔

(ادارہ)

اداریہ

ادبی مسایل

قومی وحدت

اس وقت قومی وحدت کا مسئلہ اس لئے ارباب فکر کے سامنے آیا ہے کہ آزادی کے چودہ سال کے بعد بھی نہ صرف قومی وحدت کی رفتار سست ہے بلکہ اس کو نئے نئے خطرے بھی پیدا ہوگئے ہیں۔ ادیب ان خطروں سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ وہ قوم کا ضمیر ہوتے ہیں اور انھیں قوم کی ذہنی صحت کی حفاظت کرنی ہوتی ہے اور ہر قسم کے مرض کی طرف اشارہ کرکے علاج کے لئے فضا پیدا کرنی ہوتی ہے۔ یہ خطرے ہماری سستی اور غلط سیاست کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم نے اچھا کیا کہ جمہوریت کو اپنایا۔ ہم نے غیر مذہبی ریاست کا تصور پیش کرکے بھی ملک و قوم کی خدمت کی۔ ہم نے سوشلزم کو منزل مقصود قرار دینے میں بھی غلطی نہیں کی پارلیمانی طریقہ کار نافذ کرکے بھی ہم سے کوتاہی نہیں ہوئی۔ مقامی زبانوں کو ترقی کے مواقع دینا بھی درست تھا۔ لیکن ہم نے لسانی تعصب کے شعلوں کو ہوا دی ہے اور یہ ہماری نئی بساط کو جلا کر خاک کر سکتے ہیں۔ ہم نے جمہوریت کا نام ضرور لیا ہے مگر جمہوریت کی روح کو نہیں سمجھا اور اس پر غور نہیں کیا کہ جمہوریت کے معنی اکثریت کے استبداد کے نہیں ہیں بلکہ سچی جمہوریت میں اقلیتوں کا اطمینان ضروری ہے ورنہ سماج میں ایک ایسا زہر پھیل جاتا ہے کہ جمہوریت کی صحت زائل ہو جاتی ہے۔ ہم نے ذات پات کا سرکاری کاغذوں میں ذکر نہ کرکے دل کو بہلا لیا کہ ذات پات کا زور ختم ہو گیا مگر انتخابات میں اسی کی طاقت کو بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ استعمال کیا۔ ہم نے زبانوں کی ترقی کے نام پر لوگوں کے دلوں میں ایسا فرق ڈال دیا کہ آسامی بنگالی سے بات کرنے کو تیار نہیں۔ پنجابی ہندو سکھ کی بات نہیں سنتا اور سکھ اپنی من مانی کرنا چاہتا ہے۔ عام ہندی والا اس کا روادار نہیں کہ ہندی کے ساتھ اردو کو بھی ترقی کا موقع ملے۔ یہ زبانوں کی خدمت نہیں ہے ان کی ترقی کے نام پر سیاسی بازیگری ہے ہم نے دستور میں یہ واضح کرنا کافی سمجھا کہ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سب برابر ہیں اور چند معقول حضرات کے قول و فعل کو اس سلسلے میں سند بنا کر اس کی تحقیق پر توجہ نہ کی کہ یہ برابری روزمرہ زندگی میں، کاروبار میں، ملازمتوں میں سرکاری کاموں میں نظر آتی ہے یا نہیں۔ برابری وہ نہیں ہے جو وزیر اعظم کے رو برو ہو۔ برابری وہ ہے جو چپڑاسی، تھانیدار، کلرک، استاد، افسر کے رو برو بھی ہو۔ وزیر اعظم سے عوام کا سابقہ کتنا پڑتا ہے۔ ہاں اپنے گاؤں کے مکھیا، سرپنچ، اپنے قصبے کے تھانیدار، اپنے شہر کے ڈپٹی اور کلکٹر سے روز پڑتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جمہوریت کے اصولوں کی تشریح اور تفسیر بجا اور درست مگر اس پر عمل ناقص اور کمزور۔ نتیجہ یہ ہے کہ عوام جو عمل کو دیکھتے ہیں، قومی وحدت کے تصور کو سمجھتے ہیں اور اس پر جو چوٹیں روز لگتی رہتی ہیں، ان سے متاثر ہو جاتے ہیں حالانکہ اگر ان کے سامنے عمل آئے تو اپنی فطری صلاحیت کی وجہ سے وہ قومی وحدت کے لئے سب سے مضبوط رسی بن جائیں کیونکہ ان سب باتوں کے باوجود ان کے رگ و پے میں اس کا ایک احساس ضرور ہے۔

اس لئے ادیبوں کا فرض ہے کہ وہ ملک کی ذہنی تیاری کریں اور قومی وحدت کے مسئلے کو ارباب سیاست کی بازیگری کے بجائے تہذیب اور سماج کی بنیاد بنانے پر اصرار کریں۔ اس لئے ان کا فرض ہے کہ وہ اپنی زبان کے حقوق کے لئے آواز بلند کرتے وقت دوسری قومی زبانوں پر حملہ نہ کریں بلکہ ان سے اپنا رشتہ قائم کریں۔ اس لئے ان کا فرض ہے کہ وہ ایک حادثے یا سانحے سے اتنا متاثر نہ ہوں کہ مجموعی تصور قنوطی ہو جائے بلکہ ہر ایسے حملے کو ایک نیا چیلنج یا دعوت سمجھیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی چمن بندی کو صرف تاراجی خزاں سے تعبیر نہ کریں بلکہ بہار و خزاں کی کشمکش میں چمن کی تقدیر کو دیکھیں۔ اس لئے ان کے لئے لازم ہے کہ وہ زبان کا محدود جامد اور مخصوص تصور ترک کریں اور اسے ارتقا پذیر، چلن سے متاثر، بول چال پر مبنی، ہمسایہ زبانوں سے اثر پذیر، نئے حالات کے سانچے میں ڈھلنے کے لئے آمادہ سمجھیں۔ اس لئے اسلوب کے شہید نہ ہوں اس لئے ایسے موضوعات، افکار، میلانات، علامات، اشارات، روایات، داستانات کو برتیں جو ہماری قومی تاریخ کا جزو ہیں، اور سب سے زیادہ زبانوں کو مذہب سے وابستہ کرنے کی عادت کو ترک کر دیں تاکہ اس بنا پر فرقہ پرستی کو مدد نہ ملے مثلاً اردو کو اب مسلمانوں کی زبان علانیہ بہت کم لوگ اسے کہتے ہیں، مگر ایسا سمجھنے والے اب بھی کافی لوگ ہیں اور ان میں صرف مسلمان ہی نہیں بہت سے تنگ نظر ہندو بھی ہیں۔ اس طرح ہندی کی ترقی سے خائف ہونے والے یا اس کی طرف پر نکتہ چینی کرنے والے مسلمان بھی بہت سے ہوں گے۔ اردو ہو یا ہندی، بنگالی ہو یا مراٹھی یہ سب قومی زبانیں ہیں کسی کو ترقی کا زیادہ موقع ملتا ہے تو ہم کیوں چراغ پا ہوں۔ ہاں یہ ہمارا حق ہے کہ ہم اپنی زبان کی ترقی کے لئے بھی ملک سے مطالبہ کریں اور اس ترقی کے بغیر کسی طرح مطمئن نہ ہوں۔

اگر ہمارے ادیب اظہار خیال کے وقت یہ ملحوظ رکھیں کہ ان کی تحریر وں سے قومی وحدت بڑھے گی یا گھٹے گی تو وہ باشعور ادیب کہلائیں گے۔ یہ مقصد نہیں کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کے راگ الاپتے رہیں، سیاسی نعرے انھیں سکھاتے رہیں! ہاں یہ ضروری ہے کہ سیاسی اور سماجی مسائل پر اظہار خیال میں جمہوری اور قومی تصور کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اپنی ذمہ داری کا کچھ بھی احساس ہو جائے تو یہ کام مشکل نہیں ہے۔ ادیب قانون نہیں بنا سکتے نہ اسے نافذ کر سکتے ہیں۔ وہ فساد روک نہیں سکتے، لیکن ان کی غیر ذمہ داری کی وجہ سے فضا خراب ہو سکتی ہے۔ اور ان کی ذمہ داری کی وجہ سے رواداری، باہمی میل جول اور تعاون کی فضا پیدا ہو سکتی ہے۔

ک

اِدھر اُدھر سے

ہندی اردو اور سنسکرت کی کتابوں پر انعامات

لکھنؤ ۰۰ نومبر۔ حکومت یو-پی نے ملک کے ہر حصہ سے مختلف موضوعات پر لکھی گئیں ہندی، اردو اور سنسکرت کی ان طبع زاد کتابوں اور ترجموں کو انعامات دینے کے لئے طلب کیا ہے جن کی اشاعت جنوری ۱۹۶۰ء کے بعد ہوئی ہے۔ یہ انعامات ہندی لٹریچر فنڈ سے تقسیم کئے جائیں گے۔

اردو کی کتابوں کے لئے غالب انعام ۱۵۰۰ روپیہ، اکبر الہ آبادی انعام ۱۲۰۰ روپیہ اور رام پرشاد بسمل انعام ۸۰۰ روپیہ کا دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ اردو کی کتابوں پر ۵۰۰-۵۰۰ روپیہ کے پانچ اور انعامات دئے جائیں گے۔

ضروری تفصیلات جاننے کے لئے سکریٹری انعام اسکیم ایجوکیشن سی ڈپارٹمنٹ کونسل ہاؤس لکھنؤ سے رجوع کرنا چاہئے۔

کتابوں کی برآمد کو فروغ دینے کی اسکیم

لکھنؤ ۲ ار نومبر۔ ناشرین کو کتابوں کی درآمد میں اضافہ کرنے میں مدد دینے کے لئے حکومت ہند نے حال میں کتابوں کی برآمد کے فروغ کی ایک خصوصی اسکیم شروع کی ہے اس اسکیم کا اطلاق ایسے ناشرین پر ہوگا جو اس اسکیم کے تحت مقررہ حاکم کے یہاں رجسٹر ہوں گے اور جو عام کتابوں (آرٹ سے متعلق اور مصور کتابوں) کو برآمد کرتے ہیں۔ کتابوں کے ناشرین کو رجسٹریشن کے لئے مقررہ فارم اور اس اسکیم کی دیگر تفصیلات کے لئے وزارت تجارت اور صنعت۔ نظامت فروغ برآمد ڈویژن نئی دہلی کو رجوع کرنا چاہئے۔ ایسے درخواست دہندگان کے معاملوں پر جو اسکیم کے تحت تیار کی جانے والی برآمد کنندگان کی فہرست میں شامل نہیں ہیں۔ حاکم رجسٹریشن کے ذریعہ ۳۱ دسمبر ۱۹۶۱ء تک غور کیا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ ضروری شرائط کو پورا کرتے ہوں۔

افریقیوں کے انگریزی اخبار کا اجرا

جوہانس برگ ۰۰ ار نومبر۔ معلوم ہوا ہے کہ آئندہ سال کے دوران میٹروپلیس کی طرف سے جنوبی افریقہ میں افریقیوں کا پہلا روزنامہ اخبار جاری کیا جائے گا جو انگریزی میں ہوگا۔ اس اخبار کی قیمت بہت کم ہوگی اور یہ صرف ایک سنٹ میں مل سکے گا۔ یہ ہر روز شام کے وقت شائع ہوا کرے گا۔

"ہومر" دنیا کی سب سے قیمتی پینٹنگ

نیو یارک۔ ۱۷ ر نومبر۔ نیو یارک کے میوزیم نے کل مشہور مصور ریمبرانٹ کی پینٹنگ "ہومر" کو ۲۳ ملین ڈالر میں خریدا کسی بھی پینٹنگ کے لئے آج تک اتنی کثیر رقم ادا نہیں کی گئی تھی۔ یہ پینٹنگ ۴ فیٹ چوڑی اور ۳ فیٹ لمبی ہے۔ ریمبرانٹ نے ۱۶۵۳ء میں سسلی کے ایک رئیس کے لئے یہ پینٹنگ تیار کی تھی۔ اس رئیس نے ریمبرانٹ کو ۰۰۰ ڈالر کے مماثل رقم معاوضہ کے طور پر ادا کی تھی۔ یہ پینٹنگ نویں مرتبہ فروخت ہوئی ہے۔

علامہ اقبال پر ڈاکٹر شمل کی نئی کتاب

بون ۲۰ ر نومبر۔ انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز کی مشہور مستشرق ڈاکٹر پروفیسر شمل نے علامہ اقبال پر ایک اور تصنیف مکمل کر لی ہے جس میں اقبال کے مذہبی تصورات سے بحث کی گئی۔ ڈاکٹر شمل نے اقبال کے اردو اور فارسی کلام اور ان کی دوسری تصانیف کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے اور علامہ اقبال پر ان کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

ڈاکٹر شمل کی یہ کتاب انگریزی میں ہے۔ اس میں ان تمام کتابوں اور مضامین کی مفصل فہرست بھی ہوگی جو یورپی اور ایشیائی زبانوں میں علامہ اقبال پر شائع ہو چکے ہیں۔

ساحر کی نظم پر فلم

ایک خبر کے مطابق اردو کے مشہور شاعر ساحر لدھیانوی کی نظم "پرچھائیاں" عنقریب ہی فلمائی جائے گی۔ یہ تین ریلوں پر مشتمل ایک رنگین فلم ہوگی۔ اس میں مکالمے نہیں ہوں گے بلکہ اس کی جگہ نظم کے اقتباسات گا کر سنائے جائیں گے۔

لندن میں اسلامی آرٹ کے شاہکاروں کی نمائش

لندن۔ برٹش میوزیم لندن میں سولہویں اور سترہویں صدی کے اسلامی آرٹ کی نمائش کی جا رہی ہے۔ یہ نمائش مشرقی آرٹ کی میوزیم گیلری میں ہو رہی ہے۔ اس کا مقصد یہ مظاہرہ کرنا ہے کہ مغل مدرسہ فن ایرانی مصوری کی محض ایک شاخ نہیں تھا اور یہ کہ وسطی ہند میں مالوہ اور دکن کے مدرسہ ہائے فن سے اس کا کیا تعلق ہے۔ یہ نمائش صرف اس کی اپنی تصاویر سے ترتیب نہیں دی گئی ہے بلکہ بیرونی ذرائع خصوصاً رائل لائبریری واقع قصر ونڈسر، چیسٹر بیٹی لائبریری ڈبلن شاہی ایشیائی انجمن (رائل ایشیاٹک سوسائٹی) انڈیا آفس لائبریری۔ بوڈلین لائبریری اور مدرسہ مشرقی و افریقی علوم (اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز) سے بھی مستعار لی گئی ہیں جن اشیاء کی نمائش کی جا رہی ہے ان میں سے بیشتر روغنی تصاویر پر مشتمل ہیں۔ البتہ کچھ قلمی نسخے، منقش پتھر، ہتھیار اور سکے موجود ہیں۔

ہندی کی سولہ اعلیٰ تصانیف کی اشاعت

لکھنؤ ۲۱ ر نومبر۔ حکومت اتر پردیش نے مالی سال رواں میں ہندی کی ۱۶ اعلیٰ تصانیف جن میں ۱۳ طبع زاد کتابیں اور ۳ ترجمے ہیں کی اشاعت کا فیصلہ کیا ہے ان میں ۳ کتابوں کی اشاعت تو مکمل ہو چکی ہے سات کتابیں زیر طبع ہیں اور بقیہ ۶ کتابوں کے بھی مسودے تقریباً تیار ہیں۔ یہ اطلاع ودھان پریشد میں سوالات کے وقفہ میں وزیر اطلاعات جناب رؤف جعفری نے وزیر اعلیٰ کی جانب سے شری تیلورام کے ایک سوال کے جواب میں دی۔ ممبر مذکور کے ذریعہ یہ معلوم کرنے پر کہ ان کی اشاعت پر کتنی تخمینی لاگت آئے گی وزیر اطلاعات نے بتایا کہ اس کے لئے بجٹ میں ۴۰۵ ہزار لاکھ روپیہ کی رقم مقرر کی گئی ہے جن میں ہندی کمیٹی کے عملہ کی تنخواہیں اور بعض دیگر شامل ہیں۔

منشاء الرحمن خاں منشا

غزل

حُسن وفا کو دادِ وفا جانتے ہیں ہم
تیری ادا کو تجھ سے سوا جانتے ہیں ہم
یہ دیکھ کر نہ دیکھنے کی کیفیت ہے کیوں
منشا ترا اسے جانِ حیا جانتے ہیں ہم
ہمدرد بن کے پوچھتے ہیں وہ مزاجِ دل
ہے یہ بھی دلبری کی ادا جانتے ہیں ہم
اشکوں میں کیوں ڈبوئیں بھلا آبروئے غم
اپنے خلوصِ غم کی بہا جانتے ہیں ہم
جس میں دفورِ شوق کی بے باکیاں نہ ہوں
اس زندگی کو جرم و خطا جانتے ہیں ہم
ذوقِ جنونِ عشق یہ تیرا ہی فیض ہے
جینے کا خاص ڈھنگ ہے کیا جانتے ہیں ہم
نظروں سے اس کو کرتے ہیں سجدہ بصد خلوص
قدرِ جمال روح فزا جانتے ہیں ہم
جس میں نگاہِ ناز کرے جام سے کا کام
اُس طرزِ میکشی کو روا جانتے ہیں ہم
سچ تو یہی ہے تم سے زیادہ اے رہبرو
آپ اپنی منزلوں کا پتا جانتے ہیں ہم
منشا ہر ایک کو یہ سعادت کہاں نصیب
غمناک زندگی کا مزا جانتے ہیں ہم

ضیا اکبرآبادی

غزل

دل کو ہم درد سے معمور کئے جاتے ہیں
جو محبت کا ہے دستور کئے جاتے ہیں
غم سے احساس کو معمور کئے جاتے ہیں
عقل کو شعلۂ بے نور کئے جاتے ہیں
ایسے نزدیک بھی آئے تو نتیجہ کیا ہے
وہ تو ہم سے ابھی ہمیں دور کئے جاتے ہیں
ہر جراحت ہے یہاں صرف عذابِ مرہم
ہائے وہ زخم جو ناسور کئے جاتے ہیں
جن کو توفیق نہیں خونِ جگر پینے کی
شغلِ افشردۂ انگور کئے جاتے ہیں
یہ ہمیں ہیں کہ ترا درد چھپا کر دل میں
کامِ دنیا بدستور کئے جاتے ہیں
وہ محبت کی شکایات پہ نادم ہیں ضیا
اب محبت کو بھی معذور کئے جاتے ہیں

انجم کرنولی

قطعہ

سرخ دھانی پہن کر جوڑا
اک پری ہے کہ بے نقاب آئی
ابر کے منہ میں پانی بھر آیا
سامنے جب مرے شراب آئی

تحسین انصاری

پیاس

کل بھی جیون پیاسا پیاسا تھا اور آج بھی پیاسا ہے
کل بھی سانسیں بوجھل بوجھل تھیں اور آج بھی بوجھل ہیں
کل بھی میں تنہا تنہا تھا اور آج بھی تنہا ہوں
کل بھی اپنی بابت سوچ رہا تھا آج بھی سوچ رہا ہوں

•

میرا جیون کیا جیون ہے؟ جیسے سوکھا پیڑ ہو کوئی
جس کی چھایا دھرتی پر اک "پیڑ سے خط" کی برتی ہو
جو برسوں سے اک ویراں سی پگڈنڈی کے پاس کھڑا ہو
اور ہر آنے والے راہی کو حسرت سے تکتا ہو!
جیسے تک کر من کی باتیں چپکے چپکے کہتا ہو
میرے دل میں ایک تڑپ ہے میرے دل میں ایک لگن ہے
جیون کے اس لمبے پتھ پر چلتے چلتے کاش کوئی
میری اس چھوٹی سی چھایا میں بیٹھے اور سستائے
میرا جیون میری ہستی کاش کسی کے کام آئے

•

لیکن ہر آنے والا راہی جب اُس کی چاہ سنے
اک تحقیر سے اس کی چھایا کو دیکھے اور بڑھ جائے
کسی گھنے سے پیڑ کو پائے اس کی چھاؤں میں سستائے
اور وہ! سوکھا پیڑ پھر اپنے آپ سے شاکی ہو جائے
اپنے دل میں نفرت بھر کے خالق سے باغی ہو جائے

•

سوچ رہا ہوں کل بھی جیون کی یہ پیاس جلاتی تھی
آج بھی مجھ کو جیون کی یہ پیاس جلائے جاتی ہے
سوچ رہا ہوں کل بھی جگ کی ریت مجھے تڑپاتی تھی
آج بھی مجھ کو اس جگ کی یہ ریت ستائے جاتی ہے

•

آخر کب تک میں جیون کی آگ میں یونہی جلتا جاؤں
آخر کیسے میں اس پاگل من کو جگ کی ریت سکھاؤں
اس جگ کی یہ ریت کہ یاں سب اپنے سکھ کو جیتے ہیں
نادان ہیں جو سب کا غم کھاتے ہیں خونِ دل پیتے ہیں

•

محمد تقی اثر اندوری

قطعات

دوشیزۂ شب صبح منانے آئی	ظلمت کے اندھیرے کو مٹانے آئی
عارض پہ لئے آب رواں کی چادر	خورشید کے چشمے پہ نہانے آئی

•

جب شام ہوئی غازۂ رخ مل ڈالا
آنکھیں جو کھلیں نور کا کاجل ڈالا
تدتار ستاروں کا دوپٹہ لے کر
سر پہ شبِ مہتاب نے آنچل ڈالا

انجمن کا خبر نامہ

علامہ کیفی کی یاد میں انجمن ترقی اردو دہلی کا جلسہ

۱۱ر نومبر کی شام کو ڈاکٹر عابد حسین کی صدارت میں ایک ادبی نشست علامہ کیفی کی یاد میں ہوئی۔ ممبران انجمن کے علاوہ، ذوق اصحاب بھی کافی تعداد میں تشریف لائے تھے۔ راجندر ناتھ شیدا نے کہا کہ دو برس قبل بھی میں نے انجمن کی نشست میں علامہ کیفی کے متعلق مضمون پڑھا تھا اور اب پھر کہتا ہوں کہ وہ قومی ایکتا کی بہت خوبصورت یادگار تھے۔ ان کے شاعری کے [illegible] مجموعے چھپ چکے ہیں [illegible] ہے۔ علامہ نے دو ڈرامے بھی لکھے اور کچھ مختصر افسانے بھی جن کو وہ اپنی زبان میں افسانچے کہتے تھے۔ میرا اس تمہید سے مطلب یہ ہے کہ وہ صرف ماہر لسانیات و محقق و عالم ہی نہ تھے بلکہ اچھے شاعر، ڈرامہ نویس و افسانہ نگار بھی تھے۔ انھوں نے جو کچھ بھی لکھا محسوس کر کے لکھا، رسمی طور پر نہیں لکھا۔

"بھارت درپن" ان کی ایک طویل نظم ہے جس کے متعلق منصور احمد ایڈیٹر "ادبی دنیا" نے لکھا ہے کہ جب یہ کتاب ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی تو کیفی صاحب نے ڈاکٹر اقبال کو بھیجی۔ "بھارت درپن" "مسدس حالی" کے انداز میں لکھی ہے۔ چونکہ یہ نظم صرف ہندوؤں کے لئے لکھی گئی تھی اس لئے ڈاکٹر اقبال نے علامہ کیفی کو مشورہ دیا کہ آپ نے صرف ہندوؤں کے لئے لکھی ہے اور جمہوری نظریہ کو چھوڑ دیا ہے۔ آپ جیسے انسان کے کردار کے خلاف ہے۔ کیفی جی نے ڈاکٹر اقبال کے کہنے کا ایسا اثر لیا پھر جو کچھ لکھا قومی ایکتا کے نظریہ کو سامنے رکھ کر لکھا۔ ترانۂ وطن میں سرسید اور سوامی رامانند کا ذکر انھوں نے ساتھ ساتھ کیا۔ وہ بلند پایہ ادیب اعلیٰ درجہ کے نقاد اور بہت بڑے انسان تھے۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے حضرت کیفی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ملک کے اس قابل فخر ادیب کی علمی و ادبی خدمات سے تو ہر پڑھا لکھا انسان واقف ہے مجھے اس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں نہ میری ادبی قابلیت اس پایہ کی ہے کہ میں کیفی صاحب کی نظم و نثر پر کچھ کہوں۔ لیکن ان کا خلوص، ان کی انسان دوستی اور اردو کے لئے دلی لگن ہم سب کام کرنے والوں کے لئے ایک ایسی مثال ہے کہ اگر ان کے نقش قدم پر ہم چلتے رہیں تو کامیابی ہم سے دور نہیں۔ ڈاکٹر عبدالحق مرحوم نے اردو کو ایک مذہبی زبان بنا دیا تھا ان کے اس انداز فکر نے اردو کو بہت نقصان پہنچایا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد اگر علامہ کیفی اردو کے لئے کام نہ کرتے تو اس کا مستقبل ہندوستان میں کچھ بھی نہ ہوتا۔

علامہ کیفی کی دوڑ دھوپ اردو زبان کے لئے ایسی تھی کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ اس ناتواں جسم میں کیسی باعمل اور طاقتور روح تھی کہ باوجود پیرانہ سالی اور دل کی مہلک بیماری کے ہندوستان کے طول و عرض میں جہاں کہیں بھی اردو کے لئے جلسے ہوتے وہ پہنچ جاتے اور اس مظلوم زبان کے حقوق دلانے کے لئے سب سے زیادہ جوشیلی تقریر کیا کرتے تھے۔ ہندوستان کو اپنے اس ناموَر سپوت پر ہمیشہ فخر رہے گا جس نے انسان دوستی، رواداری اور حق بات کہنے کا خیال رکھا۔

ڈاکٹر عابد حسین نے صدارتی تقریر میں فرمایا کہ علامہ کیفی کی محبوب شخصیت باوجود انتہائی مصروفیت کے مجھے یہاں کھینچ لائی۔ حضرت کیفی کی خدمت میں مجھے اکثر حاضر ہونے کا موقع ملتا تھا۔ شعر و ادب تو خیر ان کے غلام تھے ہی اور بحیثیت ایک عالم کے اردو کا پڑھا لکھا طبقہ ان کو جانتا ہی ہے لیکن میرے ذہن میں کیفی صاحب کا تصور تاج محل کے ساتھ آتا ہے۔ کیفی صاحب بھی مخلوط کلچر کا ایسا ہی سنگم تھے جیسے تاج محل۔ مجھے کیفی صاحب کی یہ حیثیت سب سے زیادہ عزیز ہے۔ قومی ایکتا کا ذکر کرنے والوں کی تو آجکل کمی نہیں ہے لیکن اس کے لئے کاش ہمیں علامہ کیفی کی طرح کوئی اور کام کرنے والا مل جاتا۔ بغض و نفاق کی آندھیاں جب ہر طرف چل رہی تھیں اور اردو کی جان پر بنی ہوئی تھی اس وقت صلح و آشتی کی شمع ان سے روشن تھی۔ افسوس ہے کہ موت کے ہاتھوں اب بجھ چکی ہے لیکن وہ کردار زندہ ہے، وہ سبق موجود ہے جو علامہ مرتے دم تک پڑھاتے رہے۔

اگر ہم سب ان کی یاد کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو ان کا طریقۂ کار اپنانے کی کوشش کریں۔ قومی وحدت پیدا کرنے کے لئے علامہ کیفی کی یاد بہت ضروری ہے۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی انجمن ترقی اردو اپنے محب کو اسی طرح یاد کرتی رہے گی۔

جناب تلوک چند محروم نے ایک طویل نظم اور چار رباعیوں میں حضرت کیفی کو خراج عقیدت پیش کیا۔

تقاریر پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب رشید حسن خاں صاحب نے کہا کہ مقررین نے موضوع سے ذرا ہٹ کر کہا ہے۔ علامہ کیفی کی علمی و ادبی خدمات کا حق اس ذکر سے ادا نہ ہو سکا اس لئے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے انداز فکر کو اچھی طرح پیش نہیں کیا گیا اور رسمی انداز سے مقررین نے ذکر کر دیا۔ آئندہ علامہ کیفی کے لئے انجمن ترقی اردو کی جانب سے ایسی نشست کا انتظام ہو جس میں ان کی نظم و نثر پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائے۔

آخر میں پاکستانی شاعر جناب حبیب جالب نے اپنی دو نئی غزلیں پرسوز آواز اور دلآویز ترنم میں پیش کر کے حاضرین کو محظوظ فرمایا اور یہ مخصوص ادبی نشست بخیر و خوبی ختم ہوئی۔

(سکریٹری)

انجمن ترقی اردو شاخ بھیمڑی کی تشکیل نو

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ بھیمڑی کی تشکیل نو کی غرض سے ایک الگ میٹنگ ۴ نومبر ۱۹۶۱ء کو بزم ادب لائبریری سوداگر محلہ میں منعقد ہوئی جس میں انجمن کی پچھلی مجلس منتظمہ کے ممبران اور شہر کے اردو دوست حضرات نے ایک کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد کہ پرانی مجلس منتظمہ ہر حیثیت سے ختم ہو چکی ہے ایک نئی مجلس منتظمہ کا چناؤ اتفاق رائے سے عمل میں آیا۔

نئی مجلس منتظمہ:- (۱) ڈاکٹر محمد غفران ایم بی بی ایس (صدر) (۲) فیضی نظامپوری (نائب صدر) (۳) مشتاق احمد سہیل ایم اے ایل ایل بی (خازن) (۴) مومن یوسف حسن (جنرل سکریٹری) (۵) عبد اللہ ہالی (جوائنٹ سکریٹری) (۶) محمد عباس محمد خان (۷) نصیر احمد زاہد (۸) محمد قاسم سمرو (۹) زبید احمد شہابی ممبران

ہم شہر کے تمام ادبی و سماجی اداروں اور اردو دوست حضرات کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ انجمن کا کام بہت جلد شروع ہو رہا ہے اور ہمیں امید ہے کہ اردو کے بہی خواہ اس سلسلے میں ہماری ہر ممکن مدد کریں گے۔

جنرل سکریٹری

(انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ بھیمڑی)

انجمن ترقی اردو محرم پور ضلع سہرسا کی چھ ماہی رپورٹ

۱۔ جب سے یہاں انجمن ترقی اردو کا قیام عمل میں آیا ہے اردو دانوں میں ایک نیا جوش اور ایک نئی امنگ پائی جاتی ہے۔

۲۔ مردم شماری کے عرصہ میں اور پہلے یہاں کی انجمن نے کافی کام کیا۔ ریاستی انجمن سے جو بھی پمفلٹ اور پوسٹر دستیاب ہوئے کافی تعداد میں لوگوں میں بانٹے گئے اور جگہ جگہ لگائے گئے جس سے لوگوں میں نئی روشنی پیدا ہوئی اور اردو کے بارے میں نئے زاویے سے سوچنے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔

۳۔ یہاں ایک ای۔ آئی۔ پی اسکول ہے جس میں باصلاحیت ٹیچر ہیں اور اردو کی تعلیم دیتے ہیں۔ اسکول کی حالت اچھی ہے۔

۴۔ ایک اردو لائبریری ہے جس میں ایک ہزار سے زیادہ اردو کی کتابیں ہیں۔ قریب قریب بارہ اخبار اور رسالے آتے ہیں جس سے لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔

۵۔ انجمن ترقی اردو کے ذریعہ برابر "اردو پڑھو اور لکھو" کا پروپیگنڈا جاری رہتا ہے جس سے اردو دانوں میں اردو کے لئے محبت کا جذبہ ابھرتا رہتا ہے۔

محمد واصل

(سکریٹری انجمن ترقی اردو محرم پور ضلع سہرسا (بہار))

دائرہ فکر و نظر گیا کی ہفتہ وار ادبی نشست

۲۲ نومبر ۱۹۶۱ء کو "دائرہ فکر و نظر" کی ہفت روزہ نشست جناب جی ایل امام ایم اے کی زیر صدارت ہوئی۔ اس مرتبہ باذوق حاضرین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ تخلیقات پر بحث کے دوران لوگ کافی خلوص اور جوش و خروش کا ثبوت دے رہے تھے جس سے اندازہ ہوا کہ شہر میں اس تنقیدی دائرہ کی اہمیت اور مقبولیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ خصوصیت سے جناب افصح ظفر ایم اے کے ریڈیائی ڈرامے "ٹوٹی کہاں کمند" کو بہت سراہا گیا۔ نعمانی ہاشمی ایم اے کے مختصر ترین افسانے "گفتار کے غازی" پر سیر حاصل تبصرہ ہوا اور ہاشمی صاحب کو مشورہ دیا گیا کہ ٹکنیک اور ہیئت کے اعتبار سے افسانے کا مرکزی کردار لفظ "عروج" تک نہیں پہونچ سکا ہے، اس لئے قاری کے ذہن کو جو تشنگی محسوس ہوتی ہے اسے نظر ثانی کے بعد دور کیا جائے۔ غزلوں اور نظموں میں فرحت القادری اور تنویر سہروردی صاحبان کی غزلیں بہت پسند کی گئیں اور "دائرہ فکر و نظر" نے انہیں اشاعت کے لئے منتخب کر لیا۔

(معتمد دائرہ فکر و نظر گیا)

انجمن نوجوان مصنفین بمبئی کی ادبی نشست

انجمن نوجوان مصنفین کی پندرہ روزہ ادبی نشست "نوجوان پارٹی" (تیسری بھیلہ بھائی اسٹریٹ، موہن پورہ) میں منعقد ہوئی۔ صدارت عزیز جاوید صاحب نے کی۔

سب سے پہلے جوائنٹ سکریٹری نے گذشتہ میٹنگ کی رپورٹ پڑھ کر سنائی جو منظور ہو گئی۔ اس کے بعد منظر حسین نے غزل، نعیم حسین نے کہانی "دود کی جھیل" اور حسن جعفری نے نظم "خواب" سنائی۔ تخلیقات پر کافی بحث میں ساگر سرحدی، نعیم حسین، مقبول عادل، انیس ہلالی اور سلیمان ظفر نے حصہ لیا۔

سلیمان ظفر (جوائنٹ سکریٹری)

بزم ادب باڑی کے زیر اہتمام مشاعرہ

۱۴ نومبر ۱۹۶۱ء کی شب کو ملک کے محبوب وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے یوم ولادت کے مسرت آگیں موقع پر یہاں ایک شاندار مشاعرہ زیر اہتمام بزم ادب باڑی ہائر سکنڈری اسکول کی جانب سے بلاک ہال میں ریٹائرڈ افسر شری ایل۔ این پرساد کی صدارت میں منعقد کیا گیا۔

جس میں جناب شوکت جلالی، جذبی درانی، داؤد کوثر، کرپی شرما، اشفاق راہی، آنند، مرزا استوا، مدارت ناروی، صلاح الدین اشرف، منور ہاشمی، مجنوں گیلپوری، معراج قریشی، سیٹھ کنھیا چند اور اشرف باڑوی وغیرہ نے حصہ لیا۔ مشاعرہ کے آخر میں صاحب صدر نے قومی تقریبات پر مشاعروں کی کامیابی کو زبان و ادب کی ترقی سے تعبیر کیا اور سامعین و شعراء کرام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مشاعرہ کے اختتام کا اعلان فرمایا۔

(اشفاق راہی سکریٹری)

معاصرین

اردو زبان کا مستقبل

اردو اخبارات اور کتابوں کی نمائش میں اردو زبان کے متعلق تین تقریریں ہوئیں۔ شری کیسکر نے افتتاحی تقریر پڑھ کر سنائی۔ تقریر خوب تیار کی گئی تھی۔ یاد رہے کہ اردو شری کیسکر کی مادری زبان نہیں لیکن آپ کا طرز بیان اور تلفظ ظاہر کرتا تھا کہ آپ کو اردو زبان پر ملکہ حاصل ہے۔ اگرچہ بہت سے لوگ یہ جاننے کے خواہشمند تھے کہ تقریر کس رسم الخط میں لکھی گئی تھی غالباً ہندی لپی میں ہوگی۔ شری کیسکر رسم الخط کی حقیقت بتا دیتے تو ان کے اس نظریہ کو تقویت پہونچتی کہ اردو کے لئے فارسی رسم الخط میں ہونا ضروری نہیں ہندی لپی اور فارسی رسم الخط دونوں سے برابر کام چل سکتا ہے۔ شری کیسکر نے اردو زبان کی اہمیت اور صلاحیت بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ حال ہی میں اردو نے کتنی ترقی کی ہے۔

دوسری تقریر شری جواہر لال نہرو کی تھی۔ عام خیال تو یہ تھا کہ شری نہرو اردو زبان پر صریحی سے رائے ظاہر کریں گے۔ اردو کا ماضی تو سب ہی کو معلوم ہے۔ حال پر تذبذب اور مستقبل کے بارے میں البتہ تشویش پائی جاتی ہے۔ ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ پنڈت جی کی تقریر سن کر اکثر لوگوں کو مایوسی ہوئی۔ اردو کے متعلق شری نہرو کا قابل ذکر ارشاد یہ تھا کہ اردو ہندوستان میں ایکتا کی سب سے بڑی نشانی ہے۔ آپ نے اردو کے ساتھ ساتھ ہندی پر بھی وچار ظاہر کئے۔ زور اس بات پر تھا کہ اردو اور ہندی دونوں ہی زبانیں جس ڈھنگ سے بولی جاتی ہیں اور تحریر میں جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ ان میں بہت بڑا فرق ہے اور یہی وجہ ہے کہ اردو اور ہندی کی ترقی خاطر خواہ نہیں۔ پنڈت جی نے اردو اخباروں کو مشورہ دیا کہ وہ سہل ترین زبان استعمال کریں ایسی جو روزمرہ کی زبان ہے اور جسے عام آدمی سمجھتے ہیں۔ ہندی کے بارے میں بھی آپ کا یہی تبصرہ تھا شری نہرو نے حقیقت حال تو بیان کر دی لیکن یہ تکلیف گوارا نہ کی کہ وجہ بھی بیان کر دیتے کہ کیوں اردو اور ہندی والوں کی عام کوشش یہ ہوتی ہے کہ انہیں ثقیل اور مشکل شکل میں پیش کیا جائے؟ اصل وجہ اگرچہ اکثر لوگوں کو معلوم ہے لیکن ہماری رائے میں اسے نہ صرف ظاہر کرنا ضروری تھا بلکہ بار بار دہرانا بھی ضروری ہے۔ اردو اور ہندی میں اوّل تو کوئی خاص فرق نہیں اور اگر ہے بھی تو یوں ہی سا۔ اردو اور ہندی کی اس صورت حال کو پسند نہ کیا گیا۔ خوف یہ تھا کہ اگر یہی حالت بنی رہی تو اردو رہے گی نہ ہندی بلکہ ہندوستانی قائم ہو جائے گی۔ لہٰذا ضروری ہو گیا کہ اردو اور ہندی میں فرق قائم کیا جائے تاکہ اردو اور ہندی میں کوئی مطابقت نہ رہے اور یہ بالکل مختلف اور جداگانہ زبانیں قرار دی جائیں۔ بولنے اور لکھنے میں جو خلیج موجود ہے اور جس پر شری نہرو نے افسوس ظاہر کیا ہے اسی خیال کی پیداوار ہے۔ اگرچہ دوسرے عناصر کو بھی بہت کچھ دخل رہا ہے۔ ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نمائش کے موقع پر اردو کے بارے میں بہت سی اہم باتوں کو پوشیدہ رکھنے یا یوں کہئے کہ نظر انداز کر دینے کی کوشش کی گئی۔ اردو کے حامیوں کی سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ سرکار کی جانب سے اردو کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا سلوک کیا جا رہا ہے۔ پنڈت جی نے خود یہ اعتراف کیا ہے کہ اردو کی ترقی میں سرکار نے کام تو کیا ہے لیکن اتنا نہیں جتنا کہ ہونا چاہئے تھا۔ خوشی اس بات پر ظاہر کی کہ حکومت کی کوتاہی کے باوجود زبان نے ترقی کی اور خوب کی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسی نمائش کے موقع پر جس کا تعلق براہ راست اردو زبان سے ہو شری نہرو کو پوری وضاحت کر دینی چاہئے تھی کہ اردو زبان سے حکومت کی کم التفاتی کی وجوہات یہ ہیں۔ اگرچہ ایسی وجوہات اس کی خواہش کے مطابق نہیں لیکن حکومت بے بس ہے۔

تقسیم ملک سے یوں تو بہت سے مظالم ہوئے انسان کی انسانیت ہی مظلوم ہو کر رہ گئی لیکن اردو زبان پر جو ظلم ہوا وہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ اس کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ دوسرے مظالم تو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ فراموش ہوتے جاتے ہیں لیکن اردو زبان پر جو ظلم ہوا ہے اس کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ بڑا خدشہ یہ ہے کہ یہ اردو زبان کی جان ہی لے کر ختم ہوگا۔ نمائش کے ادگھاٹن کے موقع پر تینوں تقریروں میں اردو زبان کے بالائی پہلو کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ جو نئی سیاست کی نظر ہو چکی ہیں ان کا کچھ حال بتا دیا جاتا۔ اردو زبان کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ سیاست اس سے وابستہ ہے۔ مذہب، فرقہ اور علاقہ بھی اس پر سختی سے حملہ آور ہے۔ اردو بے چاری بنی ہوئی ہے۔ اسے سمجھ ہی نہیں کہ یہ کون سی چوٹ کھائے اور کون سی بچائے۔ اس پر طرہ یہ کہ بقول شری نہرو اور شری کیسکر زبان رو بہ ترقی ہے۔ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ شکایت کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

موجودہ صورت یہ ہے کہ صوبائی زبانیں واقعی ترقی کر رہی ہیں یہ ایک اچھی اور لازمی بات ہے لیکن تین زبانیں سیاست، مذہب، فرقہ اور علاقہ کا نشانہ بنی ہوئی ہیں، کوئی کم اور کوئی بیش، یہ تین زبانیں ہیں، ہندی، انگریزی اور اردو لیکن تینوں زبانوں کی حالت میں نتیجہ یکساں نہیں۔ ہندی کے خلاف اوپر والے عناصر کام کر رہے ہیں تو اس کے حق میں بڑا عنصر یہ موجود ہے کہ یہ راشٹریہ بھاشا قرار دی جا چکی ہے۔ انگریزی کی پوزیشن پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو گئی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بین الاقوامی انقلابات اور تبدیلیوں کا مقابلہ انگریزی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ سیاست نے جہاں اردو اور ہندی پر مخالفانہ اثر ڈالا وہاں انگریزی کو یہ راس آگئی، مخالفت کا اثر دن بدن کم ہی ہوتا جاتا ہے بعضوں کا خیال ہے کہ وہ دن دور نہیں جبکہ مخالف ہی خود حامی بن جائیں گے۔ بہرحال ہندی اور انگریزی کی مخالفت اور حمایت میں توازن قائم ہے۔ اکثر ترازو کا پلڑا حمایت میں ہی جھکتا ہے۔ اب رہ گئی اردو، اس کی حالت دگرگوں ہے۔ اس کی رقیب ہندی ہی نہیں۔ انگریزی کا وار یوں تو ہر زبان پر چل جاتا ہے لیکن اردو پر تو اس کے زخم کاری لگ جاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اردو نہایت سخت جان ثابت ہو رہی ہے، اردو کے حامیوں کی کمی نہیں۔ اردو بولنے والوں کی تعداد بھی ابھی تک بنی ہوئی ہے لیکن یہ دونوں باتیں اردو کی حیات و بقا کی یقینی ضمانت نہیں دے سکتیں۔

(حوالہ)

مقامی اخبار "الجمعیۃ" نے "اردو کی قسمت کھل گئی" کے عنوان سے دلچسپ اور حقیقت پسندانہ تبصرہ کیا ہے۔ چند سطریں لکھنے کے بعد کہتا ہے کہ "نمائش کے موقعہ پر وہ سب کچھ کہا گیا جواب تک چودہ سال سے کہتے آئے ہیں۔ اس تقریر کے بعد (مراد شری نہرو کی تقریر سے ہے) اخبارات کو بھی کچھ روز کے لئے ایک دلچسپ مشغلہ مل گیا ہے۔ مگر ہمارا مشغلہ انھیں سطور کے ساتھ ختم سمجھنا چاہئے۔"

"الجمعیۃ" کی مایوسی بلاوجہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صوبائی زبانوں کے علاوہ ہندی اور انگریزی دونوں ہی ترقی کریں گی۔ ہو سکتا ہے کہ ہندی کی ترقی انگریزی سے زیادہ ہو۔ انگریزی پر دائمیت کی مہر لگ چکی ہے۔ یہ ترقی کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اردو کی ترقی کا چرچا ضرور ہوتا ہے ترقی کے اعداد و شمار بھی پیش کئے جاتے ہیں لیکن حقائق زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ آج نہیں تو کل یہ تاریخ کا سبب سے تراد ھوکہ اور فریب ثابت ہوگا۔ مصیبت یہ ہے کہ اس کا کوئی علاج بھی تو نہیں۔ معالج ہی ختم ہوگئے تو علاج کیسے ہو؟ اردو کی بدنصیبی ملاحظہ ہو۔ ہندوستان میں اس کے ساتھ جو سلوک ہوا ہے اور ہو رہا ہے اس کے لئے سیاست داں جواز تلاش کر سکتے ہیں لیکن اردو کا مستقبل پاکستان تک میں مخدوش ہی نظر آتا ہے۔ وہاں بھی کئی قسم کی تحریکیں اردو کے خلاف جاری ہیں۔ مشرقی ڈھنگ تو قدرت نے ہی کاٹ دیا۔ مغربی ونگ میں انگریزی مقبول تر ہوتی جاتی ہے۔ رسم الخط اگر تبدیل ہوگیا تو پھر دیکھئے کہ اردو کا حلیہ بگڑ کر کیا سے کیا ہو جائے گا۔ (تیج دہلی)

اردو کانفرنس

انجمن ترقی اردو حیدرآباد نے آندھرا پردیش کے قیام کے پانچ سال بعد ایسے وقت اپنی کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے جبکہ تعلیم نظم و نسق اور ملازمتوں وغیرہ کے تعلق سے اردو کا موقف لائق غور ہے۔ اگرچہ کہ لسانی اقلیتوں کی تعلیم اور لسانی ریاستوں میں دوسری زبانوں کے تعلق سے ہمارے دستور میں واضح ہدایات موجود ہیں اور حالیہ عرصہ میں حکومت ہند نے لسانی اقلیتوں کے مسائل کو سلجھانے پر بہت کچھ زور دیا ہے۔ حکومت ہی کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اقلیتوں کے اعتماد و طمانیت کو بحال رکھے لیکن لسانی اقلیتوں کے بنیادی مسائل خود ان کی جانب سے بھی پیش ہونے چاہئیں۔ چنانچہ انجمن ترقی اردو ان تمام مسائل کا جائزہ لینے کانفرنس منعقد کر رہی ہے جس میں خاص طور پر تعلیم اور نظم و نسق میں اردو کے مسائل کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

یہ ایک واقعہ ہے کہ پولیس ایکشن کے بعد سابق ریاست حیدرآباد میں اردو جماعتوں کی برخاستگی کا جو لامتناہی سلسلہ تھا اور اردو مدرسین کی علحدگی کثیر تعداد میں عمل میں آئی تھی آندھرا پردیش میں ایسی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی بلکہ زباندانی کے سلسلہ میں علحدہ کردہ کئی مدرسین کو جنھیں سابق ریاست حیدرآباد نے علحدہ کر دیا تھا حکومت آندھرا پردیش نے باز مامور کیا۔ اب اردو جماعتوں کی برخاستگی کی خبریں بھی نسبتاً کم ہیں لیکن کبھی کبھی ایسی شکایتیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ مالی گنجائش کی کمی کی وجہ سے اردو جماعت قائم نہیں ہو سکتی یا اردو داں اساتذہ نہیں ملتے یا طلبا کی کم تعداد کے عذر پر جماعت برخاست کردی جاتی ہے۔ پنچایت راج کے نفاذ کے بعد تعلیم چونکہ ضلع پریشد کے تحت کردی گئی ہے بعض پنچایتوں میں اردو جماعتوں کی برخاستگی عمل میں آئی ہے۔ تعلیم کا انتظام چونکہ اب ایک نئے انتظامی ڈھانچے کے تفویض ہوا ہے اس لئے بھی یہ نہایت ضروری ہے کہ کانفرنس میں ان امور کا جائزہ لیا جائے اور یہ طے کیا جائے کہ حکومت کی ایک واضح پالیسی کے بعد اردو جماعتوں کے تعلق سے کوئی شکایت پیدا نہ ہونے پائے۔

سرکاری دفاتر اور عدالتوں میں اردو اب تو حسب سابق استعمال ہو رہی ہے۔ آندھرا تلنگانہ شریفانہ معاہدہ کے بموجب پانچ سال کی مدت ختم ہو گئی ہے۔ کانفرنس کے ذریعہ اردو دانوں کی یہ آواز حکومت تک پہنچائی جانی چاہئے کہ زبانوں کی سہ گانہ اس ریاست میں اردو آئندہ بھی دوسری زبان کی حیثیت سے نظم و نسق میں اپنا مقام برقرار رکھے۔ ایسا فیصلہ اردو سے انصاف پر مبنی نہیں ہوگا بلکہ آندھرا پردیش کی تہذیبی اور لسانی اتحاد کی قدروں کے بقاء و ارتقاء کے لئے نہایت ضروری ہوگا۔ اردو کسی ایک فرقہ کی زبان نہیں ہے وہ ہندوستان کی ہمہ رنگی تہذیب و تمدن کی مظہر ہے اس لئے اس زبان کی ترقی قومی اتحاد کا استحکام بنے گی۔ آندھرا پردیش میں اردو سرکاری مقام کے تعین کے بارے میں اپنی ناچیز رائے کو کانفرنس عوام اور حکومت کے سامنے پیش کرتی ہے تاکہ موجودہ متعدد زبانی فارمولا آئندہ بھی برقرار رہے۔ اور آندھرا پردیش کا علاقہ اپنی قدیم تاریخی و تہذیبی روایات کا آئندہ بھی علمبردار رہے۔ دفاتر اور عدالتوں میں اردو کے استعمال اور تعلیم کے مسائل پر غور کرنے کے لئے ریاست بھر کے اردو دانوں کا اجتماع نہایت ضروری ہے۔ اب تک جو کانفرنسیں ہوتی رہی ہیں اس میں صرف شہر کے باشندوں کو زیادہ اہمیت حاصل رہی ہے۔ مگر اب شہر سے زیادہ اضلاع اور تعلقہ جات میں اردو تعلیم اور اردو داں ملازمین اور وکلا وغیرہ کے مسائل لائق توجہ ہیں۔ چنانچہ مجوزہ کانفرنس میں تعلقہ جات اور اضلاع کے نمائندوں کی شرکت پر بہت زیادہ زور دیا جانا چاہئے تاکہ باہمی تبادلۂ خیال سے مسائل سامنے آئیں اور ان پر سکون سے غور کیا جائے۔

(سیاست حیدرآباد)

تبصرے

خلیل الرحمن اعظمی

اُردو شاعری کا انتخاب

مرتب : ڈاکٹر محی الدین قادری زور

صفحات : ۲۰۴

ناشر : ساہتیہ اکاڈیمی، نئی دہلی

قیمت : ساڑھے سات روپے

کسی ترقی یافتہ زبان کے ادب کو سمجھنے اور اس کے عہد بعہد کے ارتقا کا اندازہ لگانے کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ اسکی باضابطہ تاریخ لکھی جائے، مختلف اصناف کا جائزہ لیا جائے اور اہم اور نمائندہ ادیبوں اور شاعروں پر تحقیق و تنقید کا حق ادا کیا جائے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ ادبی تخلیقات کے اچھے انتخابات مرتب کر کے شائع کئے جائیں۔ ہمارے یہاں شعراء کے تذکرے مرتب کرنے اور ان تذکروں میں ان کے اشعار بطور نمونہ درج کرنے کی روایت بہت پرانی ہے، اس کے علاوہ بیاضیں تیار کرنے یا اپنے پسندیدہ اشعار جمع کرنے کا شوق بھی ہر زمانے میں رہا ہے۔ مختلف عنوانات کے تحت اشعار اکٹھا کرنے کا کام بھی ہوا ہے اس طرح کے مجموعوں کی بھی اپنی افادیت ہے لیکن ادب کی کسی صنف سے متعلق ایسا انتخاب تیار کرنا جس سے اس صنف کی تدریجی ترقی، موضوعات اور اسالیب کا تنوع، ہر عہد کا طرزِ فکر اور اس صنف سے متعلق تمام اچھے اور قابلِ ذکر نمونوں کا احاطہ ہو سکے خاصا دشوار کام ہے۔ اس کام کے لئے علم و آگہی، تنقیدی بصیرت اور خوش مذاقی کے ایک مناسب امتزاج کی ضرورت ہے۔ اسی لئے فراق نے ایک زمانے میں لکھا تھا کہ ہمارے یہاں محققوں اور ناقدوں کی افراط ہے لیکن سلیقے کا انتخاب تیار کرنے والے ناپید ہیں۔ مولانا حسرت موہانی سب سے پہلے آدمی ہیں جنھوں نے "انتخابِ سخن" کا سلسلہ ایک نئے انداز پر شروع کیا تھا۔ اس انتخاب میں حسرت نے یہ بات خاص طور پر ملحوظ رکھی تھی کہ اُردو غزل کے تمام اسالیب اور سلسلوں کو اس طرح سمیٹ لیا جائے کہ اساتذہ اور اہم شعراء کے ساتھ نیم معروف اور غیر معروف شعراء کا ایسا کلام بھی ہمارے سامنے آئے جس نے کسی مخصوص طرزِ فکر، اسلوب یا رجحان کو پھیلانے اور اسے پروان چڑھانے میں مدد دی ہے اور اس طور پر نہ صرف یہ کہ ہم بہترین غزلوں اور بہترین اشعار سے ہی واقف رہیں بلکہ ہر دور کے معائب اور محاسن کے بارے میں ایک تنقیدی بصیرت حاصل ہو سکے۔ ان انتخابات میں غزل کے ساتھ ساتھ بعض دوسری قدیم اصناف مثلاً مثنوی، قصیدہ، مرثیہ وغیرہ کی بھی ایک حد تک نمائندگی ہو جاتی ہے اگرچہ غزل کا پلّہ بھاری رہا ہے۔ حسرت کے "انتخابِ سخن" کے بعد اس کام کو ہندوستانی اکیڈیمی نے آگے بڑھایا اور بعض معتبر اہلِ علم کی رہنمائی میں کیفی چڑیاکوٹی نے "جواہرِ سخن" کے نام سے چار جلدیں شائع کیں۔

لیکن یہ انتخاب بھی دورِ متوسطین ہی تک محدود رہا اور اس کی بقیہ جلدیں شائع نہ ہو سکیں۔ مولانا تاجور اور الیاس برنی نے موضوع کے اعتبار سے بعض کارآمد انتخابات شائع کئے۔ پھر انجمن ترقی اردو نے ۱۹۴۳ء میں "انتخابِ جدید" کے عنوان سے ایک انتخاب مرتب کرایا جس میں جنگِ عظیم کے بعد کے اہم رجحانات کی نشاندہی کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ انتخاب آل احمد سرور اور عزیز احمد نے مرتب کیا تھا۔ اس انتخاب کے بعد ہمارے یہاں مختلف نوعیت کے انتخابات مرتب ہوئے مثلاً "حلقۂ اربابِ ذوق" نے ہر سال کی بہترین نظموں کا انتخاب شائع کرنا شروع کیا۔ اس میں جدید طرز کی نظمیں رسالوں سے منتخب کی جاتی تھیں۔ کرشن چندر نے "نئے زاویے" کے نام سے دو جلدیں شائع کیں جن میں نظم و نثر کے میلانات کی نشاندہی کی گئی تھی حسن عسکری نے "میری بہترین نظم" کے عنوان سے ایک انتخاب شائع کیا جس میں عہدِ حاضر کے نظم نگار شعراء نے اپنی ایک ایک نمائندہ نظمیں خود منتخب کی تھیں۔ بعض رسائل نے بھی اس طرح کی چیزیں شروع کیں جیسے رسالہ "ادبِ لطیف" اور "شاہراہ" کی طرف سے ہر سال کے "بہترین ادب" کا سلسلہ اور "نگار" اور "نقوش" کے بعض خاص نمبر۔ ان سب انتخابات نے اپنی بعض خامیوں کے باوجود شعر و ادب کے اہم میلانات کو سمجھنے اور اُردو ادب کو مقبول بنانے میں حصہ لیا ہے اور ان کے مرتبین کی خدمات کو کسی طرح فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ۱۹۵۷ء میں تحریکِ آزادی کی صد سالہ تقریب پر لکھنؤ، بمبئی اور کراچی سے اچھے انتخابات چھپے جن کی اہمیت و افادیت مسلّم ہے۔

اُردو کے مشہور محقق اور ماہرِ لسانیات ڈاکٹر محی الدین قادری زور کا مرتب کردہ "اُردو شاعری کا انتخاب" اس سلسلے کی ایک تازہ کڑی ہے۔ اس انتخاب کا عنوان اس قدر جامع اور جاذبِ توجہ ہے کہ اُردو شاعری سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص اس انتخاب کو دیکھنے کے لئے بے قرار ہو جاتا ہے۔ کتاب ساہتیہ اکاڈیمی کی طرف سے تیار کرائی گئی ہے اور اس کی ترتیب و تدوین میں اکاڈیمی کے اراکین جن میں اُردو کے اہم نقاد اور ادبیات کے فاضل ہیں۔ اور مولانا ابوالکلام آزاد بھی بطورِ مشیر شریک رہے ہیں۔ ان تمام امور کے پیشِ نظر اس انتخاب سے بہت سی بلند توقعات وابستہ کر لی جائیں تو نامناسب نہ ہوگا لیکن انتخاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ان تمام توقعات پر پانی پھر جاتا ہے۔ مرتب کے دعوے کے مطابق "یہ اردو شاعری کے پانچ سو سالہ طویل دور کا ایسا انتخاب ہے جو اُردو کے بہترین اور اپنے اپنے دور کے ہر مکتبِ خیال کے نمائندہ شاعروں کے کلام پر مشتمل ہے۔" لیکن کتاب کے آخر میں ۴۳ ایسے شاعروں کا نام درج کیا گیا ہے جن کا کلام اس انتخاب کی زینت نہ بن سکا کیونکہ مرحوم شعراء کے وارثوں نے اور زندہ شعراء میں سے خود شعراء نے اجازت نامے پر دستخط کر کے نہیں بھیجے۔ اس طور پر جن شعراء کے کلام سے یہ انتخاب خالی ہے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

اکبر الہ آبادی، شاد عظیم آبادی، اقبال، ظفر علی خاں، سرور

جہان آبادی، چکبست، حسرت موہانی، اصغر گونڈوی، آرزو لکھنوی، فانی بدایونی، یگانہ، عظمت اللہ خاں، اختر شیرانی، ن م راشد، میراجی وغیرہ۔ نیز اسی فہرست میں امیر اللہ تسلیم، جلیل مانک پوری، رضا علی وحشت، نظم طباطبائی، بے نظیر شاہ وارثی، سائل دہلوی، اور خوشی محمد خاں ناظر وغیرہ بھی ہیں۔ ان شعراء کے کلام کی غیر موجودگی میں مرتب کا مندرجہ بالا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔

اب جن شعراء کو مرتب نے اپنے انتخاب میں جگہ دی ہے ان کی فہرست دیکھی جائے تو اندازہ ہوگا کہ ایسے شاعروں کو موصوف نے بڑے شوق سے شامل کیا ہے جو نہ کسی عہد کے خاص رجحان کے نمائندہ ہیں اور نہ بحیثیت شاعر انھیں کوئی اعتبار حاصل ہے لیکن اہم اور نمائندہ شاعروں کا نام ان کے حافظے سے نکل گیا ہے اس لئے کہ ان شعراء کا نام اس فہرست میں بھی موجود نہیں ہے جنھیں "اجازت نامے" کی قانونی یا ذہنی مجبوری کی بناپر خارج کرنا پڑا۔ یہ بات یقین کرنے کی نہیں ہے کہ ڈاکٹر زور جیسے اردو کے ادیب کو گردھاری پرشاد باقی کا نام یاد رہا اور ریاض خیرآبادی کا نام بھول گیا یا نازش پرتاب گڈھی کی ادبی حیثیت موجودہ شعراء میں مرتب موصوف کے نزدیک اختر انصاری، اختر الایمان، عدم، شاد عارفی، مختار صدیقی، مجید امجد، احمد ندیم قاسمی، علی جواد زیدی، نشور واحدی، شور (علیگ)، ابن انشا، نیر نیازی، جمیل الدین عالی، ناصر کاظمی، خلیل الرحمٰن، عبدالعزیز خالد، حامد عزیز مدنی، شاذ تمکنت، وحید اختر، مصطفیٰ زیدی، وزیر آغا، جعفر طاہر، سلیمان اریب، اعجاز صدیقی، پرویز شاہدی، باقر مہدی، بلراج کومل، انور معظم، شہاب جعفری، قاضی سلیم، شفیق فاطمہ شعریٰ اور محمود ایاز وغیرہ سے زیادہ ہے کیونکہ جناب نازش کا کلام اس انتخاب کی زینت ہے لیکن ان سب شعراء کا نام "فہرست اعتذار" میں بھی کہیں نہیں۔ گویا ان شعراء کے وجود یا ان کی حیثیت کا زور صاحب کو علم نہیں۔

مرتب نے دوسرا دعویٰ یہ کیا ہے کہ "ہر شاعر کے رتبے اور خصوصیات کے لحاظ سے کم یا زیادہ کلام کا انتخاب کیا گیا ہے۔" اس اصول کو سامنے رکھ کر جب ہم انتخاب کو دیکھتے ہیں تو مختلف شعراء کے رتبے کے بارے میں بالکل نئی "دریافتوں" سے سابقہ پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر کم یا زیادہ کی یہ کیفیت دیکھئے:

عبداللہ قطب شاہ	۴ غزلیں
ولی	۲ غزلیں
ابوالحسن تاناشاہ	۲ غزلیں
مظہر جانجاناں	۵ غزلیں
انعام اللہ خاں یقین	۷ غزلیں
جرأت	۲ غزلیں اور دو شعر
انشاء اللہ خاں انشا	۳ غزلیں
مصحفی	ایک غزل کے چار شعر اور دو غزلوں کے تین تین شعر
راسخ عظیم آبادی	۵ غزلیں
ناسخ	۳ غزلیں
آتش	۲ غزلیں
مظفر علی اسیر لکھنوی	۴ غزلیں
مہدی علی خاں ذکی	۳ غزلیں
میر مہدی مجروح	۴ غزلیں
حالی	۲ نظمیں اور ایک غزل
اسمٰعیل میرٹھی	۳ نظمیں اور ۳ غزلیں
سیماب اکبرآبادی	۱ غزل
لبھورام جوش ملسیانی	۲ نظمیں
امین حزیں	۲ غزلیں
تلوک چند محروم	۳ غزلیں اور ایک نظم
جگر مرادآبادی	۲ غزلیں اور ایک نظم
جوش ملیح آبادی	۲ غزلیں
فراق گورکھپوری	۳ غزلیں
ہری چند اختر	۳ غزلیں
ساغر نظامی	۱ غزل اور ایک گیت
فیض احمد فیض	۱ نظم اور ۲ غزلیں
حفیظ جالندھری	۳ غزلیں
اختر اورینوی	۳ غزلیں
داغ جو نپوری	۳ غزلیں
سکندر علی وجد	۲ نظمیں اور ایک غزل
علی سردار جعفری	۱ غزل (جس پر اپنی طرف سے عنوان دیدیا گیا ہے)
غلام ربانی تاباں	۲ غزلیں اور ایک نظم
شکیل بدایونی	۳ غزلیں

اس فہرست سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر زور کی نظر میں کس شاعر کی کیا حیثیت ہے۔ انتخاب کلام کو پڑھ کر دیکھا جائے تو عجیب و غریب نتائج نکلتے ہیں اور ڈاکٹر زور کی اس شاندار تحقیق کی روشنی میں ہر شاعر کچھ کا کچھ نظر آتا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر زور دکنی ادب کے مطالعے میں تمام عمر اس قدر منہمک رہے ہیں کہ انھیں اتنی فرصت نصیب نہ ہوئی کہ اردو شاعری کے تمام ادوار کا مطالعہ کرتے اور مختلف اصناف و اسالیب اور ہر شاعر کے مخصوص طرز اور اس کے کارنامے کی نوعیت کو جاننے کی کوشش کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں جہاں سے کوئی غزل یا نظم ہاتھ لگی یا جس دیوان یا جس رسالے کا جو ورق خود بخود کھل گیا وہیں سے اسے نقل کر لیا۔ "نقل نویسی" کا کام بھی موصوف نے پوری دیانتداری سے نہیں کیا بلکہ اشعار میں جا بجا تحریف کی ہے۔ کسی کا شعر کسی کے نام منسوب کر دیا ہے۔ کتنی اشعار کو اپنی طرف سے اصلاح دے کر موجودہ اردو کے مطابق کر دیا ہے۔ غزل پر عنوان دے کر اسے نظم کر دیا ہے اور نظم سے عنوان ہٹا کر اسے غزل کی صورت دیدی ہے۔ جس شاعر کا کارنامہ نظم میں ہے اس کی کوئی گری پڑی غزل اور جس کا غزل میں ہے اس کی نظم نہ جانے کس منطق کی رو سے شامل کر لی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس انتخاب کی رو سے ولی، مصحفی، جرأت، انشا اور آتش سے زیادہ اہمیت مہدی علی ذکی اور میر مہدی مجروح کی معلوم ہوتی ہے۔ جوش ملسیانی نظم گو اور جوش ملیح آبادی اور حفیظ جالندھری خالص غزل گو کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ جوش، جگر اور سیماب

زیادہ اہمیت بری چند اختر، شکیل بدایونی اور وامق جونپوری کی نظر آتی ہے کیونکہ جوش اور جگر کی دو دو غزلیں شامل کی گئی ہیں جیسا کہ ایک اور حضرات الذکر شعرا کی تین تین اور بقول مرتب یہ ان کی حیثیت اور مرتبے کو دیکھ کر کیا گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ آل احمد سرور، راجا اختر، اور خودی کا بھی اتنا ہی کلام شامل کیا گیا ہے جتنا جگر اور جوش کا جبکہ اول الذکر حضرات ناقد، افسانہ نگار اور محقق کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں اور ان کی شاعری کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ ثانوی حیثیت کے شعرا کے کلام کے حصول کی طرف یہ توجہ اور موجودہ دور کے بعض نمایندہ اور صاحب طرز شعرا کے نام سے ناواقفیت صرف زور صاحب ہی کے بس کی بات ہے۔

شعرا کے حالات زندگی اور ان کے کلام کے بارے میں جو رائیں درج کی گئی ہیں انھیں پڑھ کر اور بھی حیرت ہوتی ہے۔ ہر شاعر پر لکھتے وقت اختصار سے کام لیا گیا ہے لیکن اس اختصار میں بھی اس بات کو محفوظ رکھا گیا ہے کہ کہیں صحیح اطلاع نہ لکھی جائے۔ شاعروں کے نام، ان کے سن پیدائش و وفات اور دیگر امور میں قدم قدم پر ایک نئی "تحقیق" سے واسطہ پڑتا ہے اور کلام پر جو تنقید کی گئی ہے اسے اگر جمع کر دیا جائے تو لطائف و ظرائف کا ایک دلچسپ مجموعہ تیار ہو سکتا ہے۔ ان "لطائف و ظرائف" کی تفصیل دیکھنی ہو تو جناب رشید حسن خاں کا فاضلانہ مقالہ پڑھنا چاہیے جو اردو شاعری کے انتخاب پر جولائی ۱۹۶۰ء کے تحریک (دلی) میں شائع ہوا ہے۔ حضرت نوح ناروی جو الحمد للہ بقید حیات ہیں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ "داغ کے رنگ میں لکھتے تھے اور ان کے جانشین سمجھے جاتے تھے۔" ڈاکٹر زور کا مرتب کیا ہوا یہ انتخاب اگر ناقص و نا تمام ہوتا تو بھی ایسی بات نہ تھی لیکن یہ حد درجہ مضحکہ خیز اور گمراہ کن ہے اور مرتب کے ذوق اور نظر کا غماز۔ جناب زور کی تحقیقی خدمات اور "دکنیات" سے متعلق ان کے کاموں کا ہمیں اعتراف ہے لیکن موصوف نے اپنا اصل میدان چھوڑ کر خواہ مخواہ اپنے سر ایسی ذمہ داری لی جس کے وہ مطلق اہل نہ تھے۔ یہ رویہ کسی طرح مستحسن نہیں کہا جا سکتا۔ ساہتیہ اکاڈمی کو اس انتخاب کی اشاعت فوراً روک دینی چاہیے۔ اس لیے کہ اردو شاعری کے اس بے سر و پا اور مسخ شدہ انتخاب کی اشاعت سے اردو زبان کے وقار کو صدمہ پہنچا ہے اور اردو کے معتبر اور برگزیدہ شعرا کی توہین ہوئی ہے۔

زور صاحب نے اپنے دیباچے میں محض لطف بیان کے طور پر لکھا ہے کہ مرزا غالب نے کہا تھا کہ شعروں کا انتخاب نے رسوا کیا مجھے۔ تعجب نہ ہوگا اگر اس انتخاب سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہو۔ لیکن یہ فقرہ واقعی صحیح ہو گیا اور ہمیشہ کے لیے موصوف کا ذوق رسوا ہو گیا۔ غالب نے جس نوع کے انتخاب کا ذکر کیا تھا اس میں بات ذاتی ذوق کے معاملے تک محدود تھی لیکن جناب زور کے انتخاب نے ان کے مبلغ علم اور مذاق شعری کا پردہ چاک کیا ہے۔



پبلشر نذیر حسن مرزا نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر دفتر انجمن سے شائع کیا